الایام: مجلسِ تحقیق برائے اسلامی تاریخ وثقافت، کراچی جلد:٦، شمارہ:٢، جولائی۔دسمبر ٢٠١٥ء

سر سیّد احمد خان کی تاریخی تصانیف کا تنقیدی جائزہ

سیّدہ جبین زہرا ☆

سر سیّد کا پسندیدہ موضوع تاریخ رہا۔ تاریخ میں ان کی دلچسپی کچھ تو دربارِ مغلیہ سے وابستگی کی وجہ سے تھی، کیونکہ ان کے والد اور نانا دربارِ مغلیہ میں ملازم تھے۔ اور کچھ اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ، انہیں کوچہ علمی میں قدم رکھنے کے بعد ہوا۔ اہم بات یہ ہے کہ ان کی اولین باقاعدہ تصنیف بھی تاریخی موضوع پر ہے۔ یعنی جام جم اور ان کی زندگی کا آخری مضمون ''ازواج مطہرات'' جو لکھنے کے دوران ان کا انتقال ہوا، تاریخ سے متعلق ہے۔ سر سیّد کو اس موضوع سے کس قدر دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''قطب صاحب کی لاٹھ کے بعض کتبے جو زیادہ بلند ہونے کے سبب پڑھے نہیں جاسکتے تھے۔ ان کے پڑھنے کو ایک چھینکا دو بلیوں کے بیچ میں ہر ایک کتبے کے محاذی بندھوالیا جاتا تھا اور سر سیّد چھینکے میں بیٹھ کر ہر کتبے کا چربا اتارتے تھے۔''[1] یہ کام انتہائی خطرناک تھا۔ جو ان کے ذوقِ علمی کی انتہا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

سر سیّد احمد خان کی تاریخی تصنیفات مختلف النوع ہیں انہوں نے تاریخ کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کیا۔ عرب و ہند کے قدیم تاریخی تذکروں، تاریخ اسلام اور اسلامیانِ ہند پر ان کی خاص توجہ رہی۔ ذیل میں ان کی تاریخی تصانیف کا ایک تجزیاتی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

جام جم ١٨٤٠ء

جام جم سر سیّد کی سب سے پہلی تالیف ہے، جو قیامِ آگرہ کے دوران مرتب کی گئی۔ اس کی زبان فارسی ہے۔ انیسویں صدی کے وسط تک فارسی ہی کو علمی زبان کی حیثیت حاصل تھی، لہٰذا اس عہد کے دیگر اہل علم کی طرح اور مروّجات زمانہ کے مطابق انہوں نے فارسی زبان سے ہی اپنی تصنیفات کا آغاز کیا۔

☆ سیدہ جبین زہرہ، ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مولانا حالی کے بیان کے مطابق یہ رسالہ ایک فہرست کی شکل میں تھا، کہ میں امیر تیمور سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک مختلف خاندانوں کے تینتالیس (۴۳) بادشاہوں کے حالات اختصار کے ساتھ تحریر کیے گئے تھے۔۲

جام جم کا مسودہ ۲۵ رمئی ۱۸۳۹ء کو مکمل ہوا۔ آگرہ سے پہلی مرتبہ مئی ۱۸۴۰ء لیتھو میں اس کی طباعت ہوئی۔ کتاب کے آخر میں مرزا حاتم علی مہر کی تاریخ تصنیف درج ہے۔ جام جم کو دوسری مرتبہ مولوی محمد اسماعیل پانی پتی نے مقالات سرسیّد کی جلد شانزدہم میں شامل کر کے مجلس ترقی ادب لاہور سے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا ہے۔

جلاء القلوب بذکر المحبوب ۱۸۴۲ء

۱۸۴۲ء میں سرسیّد نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر ایک مختصر سا رسالہ دلی سے شائع کیا تھا۔ اس کا مقصد تحریر یہ تھا کہ جو غیر معتبر روایات عوام میں مشہور ہیں۔ ان کے بجائے مستند ماخذات سے آنحضرت ﷺ کے حالات یکجا کر دیے جائیں۔۳ اس کتاب میں بیان ولادت، اسمائے مبارک، حلیہ شریف، بیان مہر جمیلہ، صحابہ کرام، عشرہ مبشرہ، چوپائے جو آپ کے تصرف میں رہے، ہتھیار، معجزات اور حجۃ الوداع کے عنوانات کے تحت مختصر بحثیں کی گئی ہیں۔ ماخذات کے ضمن میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کتاب کی بنیاد مدارج النبوۃ اور شاہ ولی اللہ کی سرور المحزون پر ہے اور انہیں سے واقعات کا استنباط کیا گیا ہے۔ جہاں تک سرور المحزون کا تعلق ہے، وہ شاہ ولی اللہ کی تالیف نہیں ہے، بلکہ ابن سیّد الناس۴ کی کتاب عیون الاثر کی عربی تلخیص نور العیون ۵ کا فارسی ترجمہ ہے اور یہی ترجمہ سیّد صاحب کی کتاب کی بنیاد ہے۔ انہوں نے اس رسالے میں صحیح روایات کو نقل کر دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض غلط واقعات کی تردید بھی کی ہے۔ مثلاً کتب مولود میں عام طور پر یہ روایت نقل ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت حضرت خضر تشریف لائے تھے۔ سرسیّد نے اس روایت سے بے اعتباری ثابت کی ہے۔۶ اس رسالہ کی اشاعت کے چھتیس سال بعد جون ۱۸۷۸ء میں سرسیّد نے اس پر ریویو کیا جو تصانیف احمدیہ، جلد اوّل، مطبوعہ ۱۸۸۳ء میں شامل ہے۔ یے اس طور سے اردو زبان میں محافل میلاد میں پڑھی جانے والی غیر مستند روایات کی طرف سرسیّد احمد خان نے سنجیدہ کوشش کی۔

آثار الصنادید ۱۸۴۷ء

سرسیّد کا ذہن اور تخلیقی صلاحیتیں تاریخ نگاری کے لیے موزوں تھیں جو انہیں علمی و تحقیقی میدان کی جانب کھینچ کر لائیں۔ یہ امر بھی باعث مسرت ہے کہ ان کی جانفشانی اور محنت کا صلہ خود ان ہی کی زندگی میں مل گیا۔ ان کی کثیر التعداد تصانیف میں سب سے پہلی کتاب جس کی بدولت انہیں مشرق و مغرب میں شہرت ملی وہ آثار الصنادید ہے۔

آثار الصنادید کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا اس زمانے میں رابرٹس جو شاہ جہاں آباد میں کلکٹر و مجسٹریٹ تھے، اس کا ایک نسخہ ولایت جاتے ہوئے ساتھ لے گئے اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں پیش کی۔ ممبرانِ سوسائٹی نے اسے بہت پسند کیا۔ بعض ممبران نے اس کے انگریزی ترجمہ پر زور دیا۔ رابرٹس نے سرسیّد کی شرکت سے اس کا انگریزی ترجمہ شروع کیا مگر رابرٹس کا تبادلہ ہوگیا، پھر معلوم نہیں کہ وہ ترجمہ پورا ہوا یا نہیں۔ البتہ سرسیّد نے اس کی درستگی و اصلاح کے بعد اس پر نظر ثانی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کرکے اس کو ازسرِنو مرتب کیا۔ اس ایڈیشن کے لیے انہوں نے نقشے بھی ازسرِنو کمال اہتمام سے نہایت عمدہ تیار کرائے مگر ابھی چھپنے نہ پائے تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوگیا اور وہ سب نقشے تلف ہو گئے ۸۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء میں ہوا جبکہ بقول حالی یہ دوسرا ایڈیشن ۱۸۵۴ء میں چھپ کر تیار ہوگیا تھا تو اس کے نقشے غدر میں کیسے تلف ہو گئے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جو نقشے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی لائبریری میں محفوظ ہیں، صرف وہی نقشے ہیں جو سرسیّد نے تیار کیے تھے۔

سرسیّد نے پہلے ایڈیشن میں ترامیم اور اضافے کرکے ۱۸۵۴ء میں دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ فرانس کے مشہور مستشرق گارساں دتاسی نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے یورپ میں روشناس کرایا، جس کی وجہ سے ۱۸۵۴ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن نے ان کو اپنا اعزازی رکن مقرر کیا۔ ۹

آثار الصنادید اپنی نوعیت کی اردو میں ایک خاص اور اہم تصنیف ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی یہ کتاب دلی کے آثارِ قدیمہ کے مطالعہ کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سرسیّد کے تحقیقی شعور کو پختہ کرنے میں آزردہ ۱۰، شیفتہ ۱۱، غالب ۱۲ اور امام بخش صہبائی ۱۳ کا ہاتھ ہے جو خود علمی و فنی رموز کے باب میں محققانہ بصیرت رکھتے تھے۔ یہ بات سرسیّد اور صہبائی دونوں کے رفقاء کو بخوبی معلوم تھی کہ اس کتاب کی تصنیف میں صہبائی بھی برابر کے شریک رہے ہیں۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں "سیّد احمد خان نے مجھ سے خود بیان کیا کہ آثار الصنادید کے بعض مقامات بالکل مولانا امام صہبائی کے لکھے ہوئے ہیں جو انہوں نے میری طرف سے اور میرے نام سے لکھ دیے تھے۔" ۱۴

آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن سے ان کی ابتدائی تحقیق کی ابتداء ہوئی۔ مغرب میں ان کی کاوش کو بے حد سراہا گیا۔ اس کی بعض خامیوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی۔ بہرحال ان خامیوں کے باوجود ان کے اس ایڈیشن کو پہلے تحقیقی قدم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ آثار الصنادید کے دوسرے ایڈیشن میں ان کی تحقیقی صلاحیتیں مزید نکھر کر سامنے آتی ہیں۔ جس کی ایک وجہ آرکیالوجیکل سوسائٹی دہلی کے اجلاسوں اور کارروائیوں میں باقاعدگی سے حصہ لینا ہے۔ پھر (۱۸۵۲-۵۳ء) کے درمیان اس سوسائٹی کا باقاعدہ رکن منتخب کیا جانا ہے۔ اس عرصہ میں وہ مغربی تحقیق کے اصول وضوابط اور علمی و فنی نکات سے بھی بخوبی آگاہ ہو گئے تھے۔

سلسلۃ الملوک ۱۸۵۲ء

اس میں ابتداء میں دنیا کی عمر اور تخلیق عالم سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد طوفان نوح کی عمومیت یا عدم عمومیت کا بیان ہے۔ سرسیّد نے پوری تحقیق کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ہندوؤں کی تاریخ کا درست ہونا نہایت دشوار ہے اور ان کے حکمرانوں کے عہد کا تعین قریب قریب ناممکن ہے۔ انہوں نے ہندو راجاؤں کے عہد حکومت کے بیان میں حتی المقدور صحت کی راہ اختیار کی ہے مگر ان تاریخوں کی قطعیت یقینی نہیں ہے۔ اس کے بعد ہندو حکمرانوں کی مدتِ حکومت شمسی حساب سے اور مسلمان حکمرانوں کی قمری حساب سے درج کی ہے۔ مگر اقتدارِ زمانہ کی مدت کے ذکر میں سن شمسی کو ہی بنیاد قرار دیا ہے۔ سرسیّد نے یہ تاریخیں مہا بھارت اور بھگوت گیتا کے فارسی تراجم، پوتھی گرگ سنگھتا اور راجا دل، طبقات اکبری،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

منتخب دستورات ھند مسمیٰ بہ دستور العمل، تاریخ فرشتہ، خلاصۃ التواریخ، مراۃ آفتاب نما، آئین اکبری اور جام جم سے استنباط کی ہیں۔ ۱۵ؔ اس کے بعد اندر پت اور دلی کے فرماں رواؤں کی جدھشٹر سے ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء تک کی جدول دی ہے۔

اس جدول کے سات خانے ہیں جن میں نمبر شمار، نام فرمانروا، نام پدر، سالِ جلوس، دار السلطنت و حالات کے عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ جدھشٹر سے پرتھوی راج تک (۱۴۲) راجاؤں ۱۶ؔ، شہاب الدین غوری سے اکبر شاہ ثانی تک ساٹھ (۶۰) مسلمان سلاطین اور شاہ جارج سوم، شاہ جارج چہارم، ولیم چہارم اور ملکہ وکٹوریہ چار (۴) انگریز حکمرانوں کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے، یہ مجموعی تعداد (۲۰۶) حکمرانوں کی ہوئی مگر ان میں سے شاہ جہاں ثانی، احمد شاہ درانی، بیدار بخت بن احمد شاہ اور اکبر شاہ ثانی چار مسلمان بادشاہوں کا حال بلانمبر سلسلہ بیان کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہ لوگ طاقتِ حکومت سے محروم تھے اس لیے انھوں نے شاہ عالم ثانی کے بعد جس کا ذکر نمبر ۱۹۸ پر ہے، نمبر ۱۹۹ پر انگلستان کے بادشاہ جارج سوم، نمبر ۲۰۰ پر شاہ جارج چہارم، نمبر ۲۰۱ پر ولیم چہارم اور نمبر ۲۰۲ پر ملکہ وکٹوریہ کا ذکر کیا ہے۔ ۱۷ؔ

تاریخ بجنور ۱۸۵۷ء

اس کتاب کی وجہ تالیف مولانا حالی نے یہ بتائی ہے کہ جس زمانہ میں سرسیّد بجنور کے صدر امین تھے، محکمہ صدر بورڈ کی جانب سے ہر ضلع کے حاکم اعلیٰ کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ جس ضلع کا بندوبست مال ختم ہوجائے اس کی ایک مفصل تاریخ لکھوائی جائے، کلکٹر بجنور کے ایماء پر سرسیّد نے اس ضلع کی ایک مبسوط تاریخ لکھی۔ اس کے مواد حکام ضلع کی جانب سے بہم پہنچائے گئے تھے، اگرچہ بقول سرسیّد اس تاریخ میں ضلع کے عام حالات کے سوا کوئی اور قابل ذکر بات نہ تھی مگر دورانِ تالیف شہنشاہ اکبر اور عالم گیر کے زمانے کے مال گزاری سے متعلق بہت سے کاغذات ملے جن سے نہایت مفید تاریخی نتائج نکلتے تھے۔ ان تمام تاریخی دستاویزات کی نقلیں اپنے اپنے موقعوں پر تاریخ میں درج تھیں۔ جب یہ کتاب لکھی جا چکی تو کلکٹر بجنور نے اسے صدر بورڈ کے دفتر واقع آگرہ بھیج دیا۔ یہ رپورٹ ابھی بورڈ سے واپس نہ آئی تھی کہ غدر ہوگیا اور آگرہ کے سرکاری دفتر کے دیگر کاغذات کے ساتھ یہ تاریخ بھی ضائع ہوگئی۔ ۱۸ؔ

تاریخ سر کشی ضلع بجنور ۱۸۵۸ء

زمانہ غدر میں سرسید بجنور کے صدر امین تھے، انہوں نے دورانِ غدر ضلع کے حالات سے متعلق تمام ضروری دستاویزات جمع کیں۔ جب وہ اپریل ۱۸۵۸ء میں مرادآباد کے صدر الصدور ہوکر گئے تو انہوں نے وہاں تاریخ سرکشی بجنور تحریر کی۔ اس تاریخ میں مئی ۱۸۵۷ء سے لے کر اپریل ۱۸۵۸ء تک کے حالات و واقعات غدر جو ضلع بجنور میں گزرے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ انہوں نے وہ تمام تحریریں اور خط و کتابت جو وہ نواب محمود خان اور چودھریوں کے نام یا نواب اور چودھریوں نے ان کے نام یا آس پاس میں ایک دوسرے کے نام بھیجیں اور اس کے سوا اور بہت سی تحریرات جو اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

معاملہ سے تعلق رکھتی تھیں، لفظ بہ لفظ اس کتاب میں درج کی ہیں۔ان میں سے بہت سی تحریریں اور یادداشتیں ایسی ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید ابتداء سے اخیر تک اس کتاب کے لیے مواد جمع کرتے رہے۔ایسی حالت میں جبکہ جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے، وہ ان کاغذات اور یادداشتوں کو بحفاظت رکھتے جاتے تھے۔اس کے علاوہ جن مسلمانوں نے گورنمنٹ کے ساتھ بے وفائی کی اور ان سے جنگ پر آمادہ ہو گئے ان کے بھی حالات جوں کے توں بیان کیے ہیں اور جو ہندو چودھریوں نے مسلمانوں پر سختیاں کی تھیں ان کو بھی اچھی طرح ظاہر کر دیا۔۱۹ سرسیّد نے بجنور کی سرکشی کی پوری تاریخ بیان کی ہے بلکہ واقعات کو منطقی ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے جن کا ذکر دوسرے ماخذ میں یا تو قطعی طور پر نہیں ہے یا مسخ شدہ صورت میں ہے، اس لحاظ سے یہ سرسیّد کی تصنیف ہونے کے علاوہ جنگ آزادی کے اہم باب کا چشم دید بیان بھی ہے۔اس میں سرسیّد صرف عینی شاہد ہی نہیں تھے بلکہ انہوں نے اس میں کردار بھی ادا کیا۔

یہاں ان کی شخصیت میں کچھ تضاد نظر آتا ہے، ایک طرف تو انہوں نے بدلائل یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بجنور میں جو کچھ ہوا وہ انگریز کی علمداری کے خلاف جنگ نہیں تھی بلکہ وہ تمام جھگڑا ہندوؤں اور مسلمانوں کے فرقہ وارانہ فساد کا ایک سلسلہ تھا۔۲۰ دوسری طرف وہ انقلابیوں کو انگریزوں کے حق میں استوار کرنے کی کوشش کرتے رہے کیونکہ وہ بحیثیت صدر امین بن کر آئے تھے۔ان کا منصب صدر امینی تھا نہ کہ انگریزوں کی کوٹھیوں پر پہرہ دینے کا یا انہیں انقلابیوں کی باتوں سے لحہ بہ لحہ خبردار کرنے کا۔یہی چیزیں ہیں جو تاریخ سرکشی بجنور میں ان کی جانب داری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

رسالہ اسباب بغاوت ہند ۱۸۵۹ء

سرسیّد کی ان تصانیف میں جو ان کے اپنے زمانے کی تاریخ کے متعلق ہیں، **رسالہ اسباب بغاوت ہند** زیادہ اہم ہے۔اس رسالہ میں انہوں نے انقلاب کے تمام اسباب ومحرکات سے مفصل اور بہت عمدہ بحث کی ہے انہوں نے واقعات کا تجزیہ کیا اور انہیں منطقی انداز میں بیان کیا ہے۔مسلمانوں کو بہت سے الزامات سے بری الذمہ قرار دے کر قومی اور تاریخی خدمت انجام دی ہے۔انہوں نے پہلے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے اسباب کا تجزیہ کیا۔سب سے پہلے سرکشی کی تعریف کی اور اس کی اقسام بیان کیں اور بتایا کہ سرکشی کا ارادہ کسی ایک بات سے نہیں بلکہ متعدد باتوں سے انسان کے دل میں ہوتا ہے۔۲۱

اس تمہید کے بعد انہوں نے ان اسباب کا ذکر کیا ہے، جو اس بغاوت کے عام طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔یہ اسباب مثلاً اودھ کی ضبطی، سپاہیوں میں چپاتی کی تقسیم، روس اور ایران کی حکومتوں کا اس سازش میں شریک ہونا وغیرہ، اس بغاوت کی وجہ نہ تھے بلکہ حقیقی سبب یہ تھا کہ حاکم محکوموں کے خیالات سے ناآشنا اور ناواقف تھے۔حکومت کو ان کی غلطیوں کا احساس دلانا آسان کام نہ تھا۔بقول حالی:"زمانہ نہایت نازک تھا، خیالات ظاہر کرنے کی آزادی مطلق نہ تھی، مارشل لاء کا دور دورہ تھا اور حاکموں کی زبان ہی قانون تھی۔"۲۲

انہوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کی پانچ سو مطبوعہ جلدوں میں سے ایک جلد حکومت ہند کو بھیج دی اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چند اپنے پاس رکھ کر باقی کچھ کم پانچ سو جلدیں پارلیمنٹ برطانیہ کے ممبروں میں تقسیم کے واسطے لندن بھیج دیں۔ حکومت ہند کے افسر سیسل بیڈن سیکریٹری محکمۂ خارجہ اوران کے بعض حامیوں کو سرسیّد کی یہ کتاب بے حد ناگوار گزری۔ انہوں نے نہ صرف اسے سرسیّد کی باغیانہ تصنیف قرار دیا تھا لیکن بعض افسران خاص طور پر لارڈ کیننگ نے ان کی اس تصنیف کو خیر خواہی پر محمول کیا۔ ۲۳ یہ رسالہ ایک طرف مسلمانوں کی حمایت میں تھا تو دوسری طرف انگریز حکمرانوں کی اصلاح کے لیے بھی تھا تا کہ انگریز حکام اپنا رویہ رعایا کے ساتھ صحیح رکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت نے ان کے خیالات کو سراہا اوران کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔

حالات و واقعات خیر خواھان مسلمان ۶۱-۱۸۶۰ء

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز حکومت مسلمانوں کو باغی تصور کرنے لگی تھی انگریز مصنفین نے بغاوت پر جتنے رسالے اور کتابیں لکھیں، اس میں مسلمانوں کے خلاف رائیں ظاہر ہوتی تھیں۔ ان پر سب سے بڑا الزام جہاد کا لگایا جاتا تھا اور سرسیّد کا خود بھی یہ خیال تھا کہ کوئی آفت ایسی نہیں ہے، جو اس زمانے میں مسلمانوں پر نہ ٹوٹی ہو۔ گو وہ رام دین اور ماتا دین ہی نے کی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ آسمان پر سے کوئی بلا نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔

ہر بلائے کز آسمان آید گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمین نارسیدہ می پرسد خانۂ مسلمان کجا باشد ۲۴

اس زمانے میں انگریزی اخبار اور جو کتابیں بھی غدر کے بابت تصنیف ہوئیں اس میں صرف یہی لکھا ہوا نظر آیا کہ ہندوستان میں مفسد اور بدذات کوئی نہیں مگر مسلمان۔ اس چیز نے سرسیّد کو مجبور کیا کہ حکومت کے خیر خواہ مسلمانوں کے حالات پر ایک رسالہ لکھا جائے۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ سرسیّد کو مسلمانوں کے بارے میں "مفسد" اور "بدذات" کا الفاظ سن کر اتنا بُرا کیوں لگا۔ وہ تو خود ہی اپنی تصنیف تاریخ سرکشی بجنور میں مسلمانوں کو اسی قسم کے نازیبا الفاظ سے نوازتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بہر حال انہوں نے یہ سوچا کہ ان مسلمان ملازمین کی گورنمنٹ سے خیر خواہیاں بیان کی جائیں اور جو انعام و اکرام انہیں گورنمنٹ کی طرف سے ملا ہے اس کو بھی بیان کیا جائے۔ تا کہ حکومت کی منصفی اور سخاوت مشہور ہو اور رعایا کے دل میں گورنمنٹ سے شکر گزاری کا احساس پیدا ہو۔ تاہم اس سلسلے کے تین رسائل ہی شائع ہو سکے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ طباعت کے اخراجات بہت زیادہ تھے۔ اس لیے سرسیّد نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس خیر خواہ مسلمان کا حال جتنے صفحوں پر چھپے اس قدر صفحوں کی لاگت وہی شخص ادا کرے۔ مگر معدودے چند کے کسی نے اس تدبیر کے پورا کرنے کی طرف توجہ نہ دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف تین نمبر (بقدر ۱۴۷ صفحات) کے چھپ کر رہ گئے۔ اس میں صرف سترہ یا اٹھارہ اشخاص کا نہایت مفصل حال درج ہو سکا ہے۔ اگر یہ تذکرہ مکمل ہو جاتا تو مسلمانوں کے حق میں ایک نہایت مفید اور بکار آمد چیز ہوتی۔ ۲۵

خطبات الاحمدیہ ۱۸۷۰ء

سرسیّد اپنی زندگی کے بیشتر اوقات میں تاریخ کا مطالعہ کرتے رہے۔ تاریخ کے موضوع پر ان کی قابلِ قدر تصنیف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خطبات الاحمدیہ ہے، جوان کے تحقیقی شوق اور رسول پاک ﷺ سے گہری محبت کا ثبوت دیتی ہے۔ اس زمانے میں دینِ اسلام اور تاریخی موضوع پر کسی نے ایسی علمی و تاریخی کتاب نہیں لکھی۔ جو سرسیّد کے قلم سے منظرِ عام پر آئی۔ جب انہوں نے ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد دیکھی، توانہوں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ ولیم میور کی کتاب کا شافی جواب تحریر کریں گے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ہندوستان کے بیشتر کتب خانے برباد ہوگئے، وہ کتابیں دستیاب نہ ہوسکیں جن کی انہیں ضرورت تھی۔ لہٰذا انہوں نے ولایت جانے کا ارادہ کرلیا۔ سفر کے اخراجات زیادہ ہونے کے باعث اپنا کتب خانہ بیچا، گھر اور کوٹھی کو رہن رکھا، الغرض یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو بنارس سے ولایت روانہ ہوگئے۔ ولایت پہنچتے ہی وہ ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنے میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے انڈیا آفس لائبریری کے کتب خانے سے بھی چند کتابیں بہم پہنچائیں، برٹش میوزیم کی لائبریری سے بہت سی معلومات حاصل کیں، سیرت کی کتابیں جو مصر و فرانس اور جرمنی میں چھپی تھیں، وہاں سے منگوائیں۔ لاطینی اور انگریزی کی پرانی اور نایاب کتب، بہت گراں قیمت پر خریدیں۔ شب و روز کی لگاتار محنت سے بارہ خطبے تیار کیے جو **الخطبات الاحمدیہ فی العرب و السیرۃ المحمدیہ** *(Essays on the life of Muhammad)* کے نام سے موسوم ہوئے

خطبات الاحمدیہ لکھنے کا محرک خالص جذبہ اسلام اور بانی اسلام سے ان کی محبت تھا کیونکہ ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد میں واقعات کو انتہائی غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں خلاف واقعہ اور گمراہ کن الزامات لگائے تھے، جس میں کوئی صداقت نہیں تھی۔ اس میں نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے حالات بلکہ ان کے خاندان کے متعلق بھی من گھڑت واقعات بیان کیے ہیں۔ اس پر سرسیّد نے خطبات الاحمدیہ میں عہد عتیق، زبور، توریت، قدیم انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں اور عہد نامہ جدید کے حوالہ جات سے حضرت اسمٰعیلؑ کی خاندانی شرافت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور ان کی پیغمبرانہ خصوصیات کو اصول تاریخ و تنقید کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے اس کے تاریخی و تحقیقی حصوں میں بڑی محنت و جانفشانی سے دقیق موضوعات پر قلم اٹھایا جس کی دھوم نہ صرف مشرق میں بلکہ مغرب میں بھی دور دور تک پھیل گئی۔
ولیم میور کی کتاب نے اسلام اور بانی اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا کردی تھیں، سرسیّد نے اپنی تصنیف خطبات احمدیہ لکھ کر اس کو رفع کیا، جس میں تاریخی تنقید و تحقیق کے اعلیٰ اصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

ولیم ہنٹر کا جواب ۱۸۷۱ء-۱۸۷۲ء

ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب آور انڈین مسلمانز میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ مسلمان انگریزوں سے لڑنا اور جہاد کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ ہنٹر نے یہ بھی لکھا تھا کہ بغاوت اور وہابیت مترادف الفاظ ہیں۔ سرسیّد نے یہ مضمون پڑھ کر محسوس کرلیا تھا کہ یہ مضمون مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچائے گا۔ لہٰذا انہوں نے اس کا مدلل جواب تحریر کر کے مشہور انگریزی روزنامہ *Pioneer* الہ آباد میں بالاقساط شائع کیا۔ ۲۷

اصل مضمون اردو میں سائنٹفک اخبار، علی گڑھ میں ۲۴رنومبر ۱۸۷۱ء سے ۲۳رفروری ۱۸۷۲ء تک چھپتا رہا۔ اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مضمون میں انہوں نے ہنٹر کی کتاب کے مضر اثرات بیان کیے اور لفظ وہابیت کی تحقیق و تاریخ پر سیر حاصل بحث کی، اور ہنٹر کی غلطیوں اور غلط فہمیوں پر بھی تبصرہ کیا ہے، لیکن ہندو پاک کی تاریخ کے بعض واقعات جس طرح انہوں نے پیش کیے ہیں۔ تاریخ کے اکثر طالب علم اس سے اتفاق نہیں کریں گے۔

انہوں نے نہ صرف قوم ترک اور پٹھان بادشاہوں، اکبر کے علاوہ باقی مغل بادشاہوں کو بھی مذہبی رواداری کا مخالف کہا بلکہ بنوامیہ اور بنوعباس کے ادوار حکومت کو بھی ''مذہبی تعصب کے راج'' سے تعبیر کیا ہے، جو تاریخ کے شواہد پر قطعی ظلم ہے۔ انہوں نے اپنے دعووں کے ثبوت بہم پہنچانے کے لیے تاریخ کے واقعات کو مسخ کر کے دکھایا ہے۔ حالانکہ اگر حقیقت یہی ہوتی کہ ہندوستان کے مسلمان حکمران عدم رواداری کی حکمت عملی پر کاربند تھے تو یہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ایک چوتھائی سے بہت زیادہ ہوتا۔ ان مثالوں کے علاوہ بعض اور جزئیات میں بھی سرسیّد کے بیانات تاریخی حقائق سے ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ [۲۸]

ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی کتاب میں وہابیوں کی چودہ کتب کے نام دیے تھے، جن کی رو سے انگیزوں سے وہابیوں کا جہاد کرنا لازم آتا ہے۔ ہنٹر نے جن چودہ کتب کے نام تحریر کیے وہ درج ذیل ہیں:

صراطِ مستقیم از مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی ☆ مثنوی از مولوی کرم علی ☆ شرح و قایہ ☆ قصیدہ از شاہ نعمت اللہ ولی ☆ قیصر روم از ابراہیم آفندی ☆ آثار محشر از مولوی محمد علی ☆ تقویۃ الایمان از شاہ اسمٰعیل شہید ☆ تذکرہ (ہنٹر نے اس کتاب کو مولوی اسمٰعیل کی کتب میں شامل کیا ہے، یہ ان کی نہیں) ☆ نصیحۃ المسلمین از خرم علی بلہوری ☆ ھدایت المومنین (تعزیہ داری کے بیان میں) ☆ تنویر العینین از شاہ اسمٰعیل ☆ اجتہاد و تقلید از شاہ ولی اللہ ☆ تنبیہ الغافلین از سیّد احمد شہید ☆ اربعین (مجموعہ چہل حدیث)

سرسیّد نے ان تمام کتب کے نفس مضمون، موضوع اور مصنفین پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا، کہ ان چودہ میں سے کسی ایک کتاب میں بھی وہابیوں کو نہ صرف انگریزوں سے جہاد کرنے کی قطعاً ترغیب نہیں دی گئی، بلکہ یہ کتب جہاد کے موضوع پر سرے سے ہیں ہی نہیں۔ [۲۹] سرسیّد کے اس ریویو نے تمام انگریز حکام کے دل پر نیز انگلستان کے لوگوں پر بھی نہایت عمدہ اثر کیا ہے۔ [۳۰]

حواشی و حوالہ جات:

۱ حالی، الطاف حسین، حیات جاوید (لاہور: ۲۰۰۷ء) جلد ۱، ص ۱۲۰۔

۲ ایضاً، ص ۱۱۵۔

۳ احمد خان، سرسیّد، مقالات سر سیّد، مرتب شیخ اسمٰعیل پانی پتی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء) ج ۷، ص ۳۱-۳۵۔

۴ ابوالفتح ابن سید الناس شافعی ۶۶۱ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۷۳۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی کتاب کا پورا نام عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل و السیر ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۵ نور العیون فی سیرۃ الامین و المامون اور نور النبراس یہ دونوں علی بن برہان الدین حلبی کی تالیف ہیں۔ وہ ۹۷۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴۴ء میں وفات پائی۔ نوار العیون کو السیرۃ الحلبیہ بھی کہتے ہیں۔

۶ مقالات سرسیّد، ج ۷، ص ۳۱-۳۵۔ ۷ ایضاً، ص ۶،۳۰۔

۸ حیات جاوید، جلد ۱، ص ۱۲۱۔ ۹ ایضاً، ص ۱۲۲۔

۱۰ مفتی صدر الدین آزردہ بن مولانا لطف اللہ کشمیری کی غدر کے بعد تمام جائیداد اور املاک ضبط کرلی گئی تھی بلکہ فتوے کے شبہ میں چند ماہ تک نظر بند بھی رہے۔ آخر عمر میں فالج میں مبتلا رہ کر اکیاسی سال کی عمر میں ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ کو وفات پائی۔ (محمد میاں، مولانا سیّد، علمائے ہند کا شاندار ماضی، لاہور، جلد چہارم، ص ۲۲۲، ۲۳۱، س۔ن۔)

۱۱ نواب مصطفیٰ خان خلف نواب مرتضیٰ خان بہادر ۱۸۰۶ء دہلی میں پیدا ہوئے، "عظیم الدولہ" اور "سرفراز ملک" آپ کے خطابات تھے۔ "شیفتہ" تخلص کرتے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں وفات پائی۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں اپنے جد امجد کے مزار کے پاس دفن کیے گئے۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم، ص ۲۳۲ اور ۲۳۵۔)

۱۲ مرزا اسد اللہ خان غالب ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء میں ہوا۔

۱۳ امام بخش صہبائی کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت عمرؓ تک پہنچتا ہے۔ وہ عربی و فارسی کے بڑے اسکالر تھے۔ دہلی کالج میں پروفیسر تھے۔ غدر کے دوران مارے گئے۔

۱۴ نعمانی، شبلی، مقالات شبلی (اعظم گڑھ: دار المصنفین، س۔ن) جلد دوم، ص ۵۸۔

۱۵ مقالات سر سیّد، جلد ۶، ص ۱۶۷-۱۸۲۔ ۱۶ ایضاً، ص ۱۸۳-۱۰۸۔

۱۷ ایضاً، ص ۲۱۱-۲۳۱۔ ۱۸ حیات جاوید، جلد ۱، ص ۶۰-۶۲۔

۱۹ ایضاً، ص ۱۴۳-۱۴۴۔

۲۰ احمد خان، سرسیّد، تاریخ سرکشی بجنور، مرتب معین الحق (کراچی: مشہور پریس، ۱۹۶۲ء) ص ۲۳۔

۲۱ حیات جاوید، جلد ۱، ص ۱۷-۱۹ ضمیمہ۔ ۲۲ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۲۳ ایضاً، ۱۴۹۔ ۲۴ مقالات سرسیّد، جلد ۷، ص ۴۰-۴۱۔

۲۵ حیات جاوید، جلد ۱، ص ۱۵۷-۱۶۱۔ ۲۶ ایضاً، جلد ۲، ص ۶۸۔

۲۷ ایضاً، جلد ۱، ص ۱۸۲۔

۲۸ معین الحق، سرسیّد کے علمی وادبی کارنامے، ص ۱۳۸، مشمولہ برگ وگل، کراچی، ۱۹۶۸ء۔

۲۹ Hunter, W. W., *The Indian Musalmans*, Premier Book House, Lahore, 1964, p. 30 - 46.

۳۰ حیات جاوید، جلد ۱، ص ۱۴۶۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com